© rasailojaraid.com

پروفیسر علی محسن صدیقی۔ کراچی یونیورسٹی

مستنصریہ بغداد

آلِ عباس نے ۱۳۲ھ سے ۶۵۶ھ (مطابق ۷۵۰ء تا ۱۲۵۸ء) سوا پانچ سو سال کے قریب حکومت کی ان کا دورِ خلافت علوم وفنون کی ترقی اور دانش وحکمت کی سرپرستی کے لیے مشہور ہے دنیائے اسلام کی عقلی سرگرمیاں اور ذہنی مساعی عباسیوں ہی کی رہینِ احسان ہیں۔ ان کا دارالحکومت بغداد[۱] اپنے عہد کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا اور طالبانِ علم وتشنگانِ دانش اسی مرکزِ معارف وسرچشمۂ عرفان کی جانب کشاں کشاں چلے آتے تھے۔

علم نوازی اور علما پروری کچھ خلافت عباسیہ کے دورِ عروج ہی کا طرۂ امتیاز نہیں بلکہ دورِ انحطاط میں بھی دانش وبینش کی سرپرستی خلفائے عباسیہ کا مایۂ افتخار رہی ہے۔ ابوجعفر المنصور[۲] وعبداللہ المامون[۳] نے علم وحکمت کی جو شمع روشن کی تھی اسے اُن کے جانشینوں نے برابر روشن رکھا۔ اور جب تک اس خانوادہ کا آخری حکمران مستعصم[۴] باللہ تاتاریوں کے ہاتھوں شہید نہ ہوگیا، یہ شمع فروزاں رہی۔

بغداد کے چپے چپے پر علما کے حلقہ ہائے درس اور یہاں کے گوشے گوشے میں فضلا کے مراکزِ تعلیم وتعلم موجود تھے لیکن ایک عظیم مرکزی درس گاہ جو اپنے حلقۂ اثر کے لحاظ سے ملک کے ایک بڑے حصے پر محیط ہو اور جس کے زیرِ انتظام صوبہ جاتی تعلیمی ادارے ہوں سب سے پہلے سلاجقہ کے مشہور وزیر نظام الملک[۵] نے نظامیہ[۶] بغداد کے نام سے پانچویں صدی ہجری کے چھٹے عشرے میں قائم کی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اسی قسم کی مرکزی درس گاہ کا قیام عمل میں آیا، مگر بغداد کی علمی تاریخ میں یہ بات حیرت کے ساتھ لکھی جائے گی کہ اُن تمام علمی عمارتوں میں سے جو بغداد یا اُس کے ماتحت علاقوں میں تعمیر ہوئیں، کوئی شاندار عمارت کسی عباسی خلیفہ کے نام سے منسوب نہ کی گئی تھی، اور دارالخلافہ اب تک اسی خاص حیثیت سے دوسری مسلمان نسلوں کا ممنونِ منت تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عباسیوں کی طویل حکومت کا نفسِ واپسیں تھا اور وہ بساطِ سیاست سے اُٹھنے ہی والے تھے کہ آخری حکمران سے پہلے اور سلسلۂ خلافت کے چھتیسویں خلیفہ المستنصر باللہ نے اُس کی تلافی کی۔ اس نے ایک شاندار درس گاہ کی تعمیر کا آغاز اس اہتمام سے کیا کہ اُس کے کارنامے کے سامنے دوسروں کے کارنامے ماند پڑ گئے۔ ۵

یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی
ایسی چنگاری بھی یا رب اپنی خاکستر میں تھی

۶۲۳ھ (مطابق ۱۲۲۶ء) میں ابوجعفر المنصور، مستنصر باللہ کے لقب سے سریر آرائے خلافت ہوا۔ اس نے کم و بیش سولہ سال تک حکومت کی اور (۶۴۰ھ — ۱۲۴۲ء) میں وفات پائی۔ سیاسی اعتبار سے یہ دَور ابتلا و انحطاط کا دَور تھا۔ تاتاری ریگستانی بادِ سموم کی طرح صحرائے گوبی سے اٹھ کر ترکستان و ایران کے چمن زاروں کو تباہ کر چکے تھے اور ان کے تیز و تند جھکڑ گلستانِ عراق کو اپنی لپیٹ میں لیا ہی چاہتے تھے۔ ایک کرب و حزن و الم کی فضا چھائی ہوئی تھی اور دنیائے اسلام اس ابتلائے عظیم سے لرزہ بر اندام تھی۔ ایسے عالم میں گلشنِ علم کی آبیاری اور باغِ حکمت کی چمن بندی کا حوصلہ بڑے دل گردے کا کام تھا۔ یہ خلیفہ مستنصر باللہ ہی کی ہمت و عزم کی کارفرمائی تھی جس نے اس زمانے میں ایک عظیم الشان درس گاہ تعمیر کی۔

مشہور مؤرخ حافظ شمس الدین ذہبی[۸] کا بیان ہے کہ مستنصر باللہ نے ۶۲۵ھ میں قصرِ خلافت کے متصل دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر ایک عالیشان عمارت کی بنیاد رکھی۔ چھ سال کی مدت میں یہ عمارت بن کر تیار ہوئی اور ماہِ رجب ۶۳۱ھ میں جمعرات کے دن درس گاہ کا افتتاح ہوا۔ اس افتتاحی تقریب میں بغداد کے قضاۃ، علما، اساتذہ، ارکانِ دولت و عمائدِ سلطنت شریک تھے۔ عوام کی بھی ایک بھاری جمعیت موجود تھی۔ ۹

مستنصریہ میں ایک بڑے کتب خانے کا بھی اہتمام کیا گیا اور قصرِ خلافت کے عظیم کتب خانے سے ایک سو ساٹھ بار شتر نفیس منتخب کتابیں لا کر اس نئے کتب خانے میں رکھی گئیں۔ کتابوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا رہا اور یوں مستنصریہ کی لائبریری اپنے عہد کی سب سے عمدہ اور نادر ذخیرۂ کتب بن گئی۔ قصرِ خلافت سے ابن البواب[۱۰] و ابن المقلہ[۱۱] جیسے نامور خوشنویسوں کی وصلیاں بھی لا کر اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتب خانے میں رکھی گئیں[12]

مستنصریہ کی درس گاہ اصلاً ایک دینی تعلیم گاہ تھی۔ چنانچہ ابتدا میں یہاں اہل سنت والجماعت کے چاروں مسالک، حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے فقہی حلقہ ہائے درس الگ الگ قائم کیے گئے ان چاروں مسلکوں کے اساتذہ و طلبا کے قیام و تدریس کے انتظام ایک دوسرے سے علیحدہ تھے۔ ہر مسلک کے طلبہ کی تعلیم کی غرض سے جن اساتذہ کا تقرر کیا گیا، ان میں شیخ الفقہ کے علاوہ شیخ الحدیث و شیخ الفرائض بھی ہوتے تھے۔ ان شیوخ کے سوا بعض ایسے تدریسی شعبے بھی تھے جن کا تعلق دینیات سے نہ تھا۔ چنانچہ شیخ النحو عربی زبان اور ادبیات سے متعلق شعبے کا سربراہ ہوتا تھا۔ اسی طرح شیخ الطب بھی تھا۔ جس سے علم طب کے طلبہ درس لیتے تھے۔ ابن واصل کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ ان طلبہ کے لیے عملی تعلیم کا بھی انتظام تھا۔ اور اس غرض سے مستنصریہ کے ساتھ ایک شفاخانے کا الحاق کیا گیا تھا[13]۔ خلافت عباسیہ کے زوال کے بعد جب بغداد پر منگولوں کی حکومت ہوتی تو اہل سنت والجماعت کی دینیات کے علاوہ شیعہ دینیات کی تعلیم کا بھی یہاں بندوبست کیا گیا۔

ابن بطوطہ جس نے (۷۲۷ھ - ۱۳۲۶ء) میں بغداد کا سفر کیا تھا۔ مستنصریہ کے طریقۂ تدریس کے بارے میں لکھتا ہے کہ ہر شعبے کی تدریس کے لیے ایک دیوان مخصوص ہے جہاں استاد ایک بلند کرسی پر بیٹھ کر درس دیتے ہیں اور ان کے دونوں طرف دو استاد ذرا نیچے بیٹھے ہوتے ان کے لکچرز کو بلند آواز سے دہراتے ہیں۔ یہ لوگ مُعید کہلاتے ہیں۔ طلبہ جو درس میں شریک ہوتے ہیں ان کی تعداد بہت ہوتی ہے مگر اس کے باوجود پورے درس میں سکون و وقار کی فضا قائم رہتی ہے۔ ابن بطوطہ کا یہ بھی بیان ہے کہ اساتذہ کا مخصوص لباس ہوتا ہے ان کے طیلسان (گاؤن) و عمامے کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اور دوران درس ان کے لیے یہ لباس زیب تن کرنا لازمی ہے[14]۔

درس گاہ سے ملحق ایک دارالافتاء بھی قائم کیا گیا تھا۔ جہاں مفتی ہوتے تھے۔ اہم سیاسی و مذہبی اُمور میں مستنصریہ کے عام شیوخ اور بغداد کے دیگر فضلا بھی یہاں فتویٰ دینے کی غرض سے جمع ہوتے تھے۔ چنانچہ ۶۵۶ھ میں ہلاکو نے تسخیر بغداد کے بعد جب علمائے اسلام سے اپنے حق میں فیصلہ کرانا چاہا تو اس مقصد کے لیے علما کا اجتماع مستنصریہ ہی میں ہوا اور اس عہد کے مشہور عالم رضی الدین علی بن طاؤس نے ہلاکو کی حکومت کے جواز میں اپنا فتویٰ نہیں دیا تھا جب کہ دوسرے علما نے ایسا کرنے سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجتناب کیا تھا۔[15]

ابتدائے قیام ہی سے مستنصریہ میں طلبہ کی مادّی ضروریات کا بطورِ خاص لحاظ رکھا جاتا تھا۔ ان کے قیام وطعام کے علاوہ ان کے لیے مٹھائیوں، میووں اور ٹھنڈے پانی کا بھی انتظام کیا جاتا تھا۔ ان لوگوں کو بستر، قلم، کاغذ اور دوات بھی مفت فراہم کیے جاتے تھے۔ درس گاہ سے ملحق ایک اعلیٰ قسم کا حمام بھی اساتذہ وطلبہ کے لیے بنایا گیا تھا۔ ان تمام انتظامات پر مستزاد یہ کہ ہر طالب علم کو ماہانہ ایک اشرفی جیب خرچ کے طور پر دی جاتی تھی۔[16]

مستنصریہ کی عمارت بغداد کے مشرقی حصّے میں واقع تھی۔ یہ حصّہ شہر کا سب سے آباد علاقہ تھا۔ یہاں بکثرت بازار تھے۔ سب سے بڑا بازار سوق الثلاثا کہلاتا تھا۔ یہاں ہر قسم کے کارخانے بھی تھے۔ عمارتوں کے سلسلے کے وسط میں نظامیہ کی درس گاہ اور اس کے آخری سرے پر مستنصریہ کی عالیشان عمارت تھی۔ اس آباد خطے میں اس تعلیم گاہ کی تعمیر کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ اس کے اخراجات کے لیے دکانیں اور بازار بنائے جا سکیں۔ چنانچہ مصارف کی غرض سے بہت سی عمارتیں بنا کر مستنصریہ پر وقف کی گئیں۔

سیوطی کے بیان کے مطابق ان اوقاف سے ستر ہزار مثقال سونے کی مالیت کے بقدر سالانہ آمدنی ہوتی تھی۔[17] اس طور سے درس گاہ کی ضروریات کے لیے کسی چندے یا مالی اعانت کی کوئی ضرورت نہ پیش آتی تھی یہی وجہ تھی کہ زوالِ عباسیہ کے بعد بھی مستنصریہ بغداد کی مرکزی حیثیت قائم رہی اور جب ۱۳۹۵ء میں امیر تیمور[18] کے قبضۂ بغداد کے زمانے میں نظامیہ کی درس گاہ کو بھی اس میں ضم کر دیا گیا تو اس کی شان اور بھی بڑھ گئی۔[19]

مستنصریہ ایک سرکاری ادارہ تھا اس کی نگرانی براہِ راست خلفا کرتے تھے طلبہ کی اخلاقی حالت کی نگرانی اور دوسرے عمومی مسائل کی دیکھ بھال خود مستنصر کرتا تھا۔ عباسیوں کے بعد تاتاریوں نے اس کے معائنے اور نگرانی کو اپنے فرائضِ منصبی کا جزو سمجھا۔ مؤرخ ابن الطقطقی نے لکھا ہے کہ ۶۹۸ھ میں جبکہ تاتاری سلطان غازان خان مستنصریہ کا معائنہ کر رہا تھا۔ شافعیہ کے شیخ علامہ جمال الدین عبداللہ بن عاقولی نے جو درسِ قرآن میں مصروف تھے درس بند کر کے اس کا استقبال کیا تو سلطان نے اس پر سختی سے ان کی گرفت کی تھی۔[20]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہرکیف بغداد پر عباسیوں کے بعد تاتاریوں، اہل خانیوں[۲۱]، تیموریوں، صفویوں[۲۲] اور عثمانیوں[۲۳] نے یکے بعد دیگرے حکومتیں کیں اور مستنصریہ اپنی شان و شوکت کے ساتھ قائم رہا۔ آخرکار اسے بھی زوال آیا اور عثمانی ترکوں کے آخری دور میں اسے بند کر دیا گیا اور وہ عظیم عمارت اس صدی کے آغاز تک عراق کے ترکی کسٹم آفس کے طور پر استعمال ہوتی رہی۔ اور آجکل عراق کے محکمہ آثار قدیمہ کی تحویل میں ہے۔ پتہ نہیں کہ وہ نادرۂ روزگار گھڑی جسے مستنصر کے مشہور ہیئت دان علی بن تغلب بن ابی ضیا بعلبکی[۲۴] نے تیار کیا تھا۔ اور جو مستنصریہ کے صدر دروازے پر نصب تھی کہاں گئی[۲۵]۔

مستنصریہ کی علمی حیثیت کا ہر دور میں اعتراف کیا گیا ہے۔ ابن واصل[۲۶]، سبط ابن الجوزی[۲۷]، ابن الطقطقی[۲۸]، ذہبی، سیوطی[۲۹] وغیرہ نے اسے شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے، فارس کے مشہور شاعر سعدی شیرازی جب بغداد کی تباہی پر روئے تو مستنصریہ کی ویرانی پر بھی ان کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں ؎

بکت جدرُ المستنصریۃ نُدبۃً ... علی العلماءِ الراسخین ذوی الحجر

(مستنصریہ کے در و دیوار اُن شہرۂ آفاق علما پر جو وہاں درس دیتے تھے اشکبار رہیں!)

حواشی

۱؎ بغداد: ابوجعفر المنصور نے ۱۴۵ھ میں دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر اپنا نیا دارالحکومت آباد کیا۔ یہ شہر جلد ہی ترقی کر گیا۔ مہدی نے دجلہ کے مشرقی کنارے پر نئی عمارتیں بنوائیں اور یہی حصہ قصر امارت و سرکاری عمارتوں کے باعث شہر کا سب سے بارونق علاقہ بن گیا۔ دریائے دجلہ پر متعدد پل بنا کر شہر کے دونوں حصوں کو ایک دوسرے سے ملا دیا گیا تھا۔ مشرقی حصے کو رصافہ اور مغربی حصے کو کرخ کہتے تھے۔ ۶۵۶ھ میں عباسیوں کے زوال کے ساتھ بغداد کی عظمت کا آفتاب بھی غروب ہو گیا۔ (جرجی زیدان۔ تاریخ التمدن الاسلامی۔ مطبوعہ دارالہلال، مصر ۱۹۵۸ء، جلد دوم ص ۱۸۲ - ۱۸۶)

۲؎ دوسرا عباسی خلیفہ ابوجعفر عبداللہ المنصور ۱۳۶ھ میں اپنے بھائی سفاح کی موت کے بعد سریر آرائے خلافت ہوا۔ بائیس سال حکومت کر کے ۱۵۸ھ میں اس نے وفات پائی۔ خلافت عباسیہ کا بانی منصور ہی ہے۔ علم و فضل کی ترقی کا آغاز اسی کے دور سے ہوا۔ (ابن الطقطقی، الفخری، مطبوعہ رحمانیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصر ۱۹۲۷ء ص ۱۱۵ و ما بعد)

۵۳ المامون: اپنے بھائی محمد الامین کو قتل کرا کے عبداللہ المامون ۱۹۸ھ میں مسند نشین سلطنت عباسیہ ہوا۔ اس نے بیس سال تک حکومت کی۔ ۲۱۸ھ میں انتقال کیا۔ اس کا دورِ حکومت جہاں علمی ترقیوں کے لیے مشہور ہے وہیں سیاسی انتشار اور مذہبی عدم رواداری کے لیے بھی انگشت نمائے خلق ہے۔ (الفخری۔ ص ۱۶۱ و ما بعد۔ تفصیلی حالات کے لیے علامہ شبلی کی المامون ملاحظہ ہو)

۵۴ المستعصم باللہ: آخری عباسی خلیفہ ابو احمد عبداللہ ۶۴۰ھ مطابق ۱۲۴۲ء میں مسندِ خلافت پر متمکن ہوا۔ سولہ سال حکومت کرنے کے بعد (۶۵۶ھ ۔ ۱۲۵۸ء) میں تاتاریوں کے ہاتھ سے شہید ہوا۔ اسی کے ساتھ خلافتِ عباسیہ بغداد کا خاتمہ ہو گیا۔ اپنی بعض ذاتی کمزوریوں کے باوجود المستعصم باللہ نیک سیرت اور نیکوکار تھا۔ (الفخری۔ ص ۲۴۴ و ما بعد)

۵۵ نظام الملک: طوس کا دہقان زادہ ابو علی حسن بن علی ۴۰۹ھ میں پیدا ہوا۔ علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد حاکم بلخ کا سکریٹری ہوا۔ پھر سلجوقیوں کے دربار سے وابستہ ہوا اور ولی عہد الپ ارسلان کا سکریٹری مقرر ہوا۔ جب الپ ارسلان ۴۵۵ھ میں سلطان ہوا تو حسن کو اپنا وزیر اعظم بنایا۔ نظام الملک کا خطاب بھی اسی دورِ وزارت کی یادگار ہے۔ الپ ارسلان اور اس کے جانشین ملک شاہ کے زمانے میں تیس سال تک منصب وزارت پر فائز رہا۔ ۴۸۵ھ میں ایک باطنی کے ہاتھ سے شہید ہوا۔ نظام الملک عالم، انشا پرداز اور مدبر تھا۔ اس کی کتاب سیاست نامہ اس کے علم و فضل پر شاہد ہے۔ مگر اس سے بھی بڑھ کر وہ علم دوست اور علما پرور تھا۔ اس نے سلاجقہ کی حکومت کے طول و عرض میں بیسیوں مدارس قائم کیے جن میں بغداد کے علاوہ نیشاپور کا مدرسہ بڑا مشہور تھا۔ (تفصیل کے لیے مولوی عبدالرزاق کانپوری کی مشہور کتاب "نظام الملک طوسی" مطبوعہ نفیس اکیڈمی، کراچی ملاحظہ کریں)

۵۶ نظامیۂ بغداد: نظام الملک طوسی نے (۴۵۷ھ ۔ ۱۰۶۷ء) میں اس درسگاہ کی تعمیر کا آغاز کیا۔ دو سال بعد جب عمارت مکمل ہوئی تو بڑے تزک و احتشام کے ساتھ اس کا افتتاح ہوا۔ اسلامی درسگاہوں میں اسے بڑی شہرت ہوئی۔ علامہ ابو اسحاق شیرازی، امام غزالی اور ابن الجوزی جیسے ائمۂ فن اس ادارے کے استاد رہے اور شیخ سعدی شیرازی و محمد بن تومرت افریقی جیسے شہرۂ آفاق حضرات نظامیہ کے زمرۂ تلامذہ میں شامل ہیں۔ (۱۳۹۵ء ۔ ۷۹۷ھ) میں امیر تیمور نے نظامیہ کو بند کر کے کم و بیش تین سو چالیس سال کی علمی روایت پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا۔ (نظام الملک طوسی۔ ص ۵۱۲ و ما بعد)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۷ے تاتاری: منگولیا اور جنوبی سائبیریا کے خانہ بدوش قبائل کو اہلِ چین نے تاتار کا نام دیا۔ انھوں نے تاتاریوں کے مختلف گروہوں کو تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ ۱: دیوارِ چین کے قریب بسنے والے سفید تاتار۔ ۲: صحرائے گوبی کے شمال میں رہنے والے سیاہ تاتار۔ ۳: اور سیاہ تاتاریوں کے شمال میں جنگلات میں آباد شکاری تاتار قبائل۔ اسی تیسرے خاندان میں ۱۱۵۵ء میں تموچین پیدا ہوا جو چنگیز خاں کے لقب سے تاتاریوں کا عظیم حکمران ہوا ہے۔ اسی کے عہد میں اسلامی ممالک پر تاتاریوں کی یلغاروں کا آغاز ہوا۔ اور اس کے پوتے ہلاکو خاں نے (۶۵۶ھ — ۱۲۵۸ء) میں بغداد پر قبضہ کیا۔ (کارل بروکلمان۔ تاریخ شعوب اسلامیہ۔ (ترجمہ انگریزی) مطبوعہ لندن ۱۹۵۰ء ص ۲۴۴، ۲۴۵۔ اصل کتاب جرمن زبان میں ہے۔ اس کا عربی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے)۔

۵۸ ذہبی: حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی ۶۷۳ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے اور یہیں ۷۴۸ھ میں وفات پائی۔ ذہبی اپنے عہد کے بہت بڑے محدث، مؤرخ اور ماہر اسمائے رجال تھے (ابوالفداء۔ المختصر فی اخبار البشر۔ مطبوعہ حسینیہ مصر ۱۳۲۵ھ (ذیل ابن الوردی) جزء چہارم صفحہ ۱۵۰) و نیز ابن شاکر کتبی، فوات الوفیات مطبوعہ سعادت مصر ۱۹۵۱ء۔ ج ۲ ص ۳۷۰)۔

۵۹ سیوطی: تاریخ الخلفا۔ مطبوعہ اصح المطابع کراچی ص ۳۴۶، ۳۴۷ و نیز المختصر فی اخبار البشر ج ۳۔ صفحہ ۱۷۱)

۶۰ ابن البواب: علی بن ہلال کی کنیت ابوالحسن اور عرف ابن البواب ہے۔ نہایت خوشخط تھے۔ مدینہ منورہ کی جامع مسجد میں واعظ تھے۔ ۴۱۳ھ میں بغداد میں وفات پائی اور باب الحرب کے مقبرے میں سپردِ خاک کیے گئے۔ (ابن الجوزی۔ المنتظم فی تاریخ الامم۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد ۱۳۵۹ھ جلد ہشتم صفحہ ۱۰)

۶۱ ابن المقلہ: محمد بن علی نام کنیت ابوالحسن معروف بہ ابن المقلہ شوال ۲۷۲ھ میں بغداد میں پیدا ہوا۔ سولہ سال کی عمر میں سرکاری ملازمت سے وابستہ ہوا۔ معمولی عہدے سے ترقی کر کے منصب وزارت تک پہنچا اور تین خلفا۔ مقتدر، قاہر، و راضی کا وزیر رہا۔ خطاطی اور انشا پردازی میں یگانۂ روزگار تھا۔ اخیر عمر میں خلیفہ راضی نے ناراض ہو کر قید کر دیا تھا۔ اسی حالت میں (۳۲۸ھ) میں انتقال کیا۔ (المنتظم جلد ۶، ص ۳۰۹ تا ۳۱۱) و نیز خیر الدین زرکلی، الاعلام، مطبوعہ مصر ۱۹۵۴ء جلد ہفتم ص ۱۵۷، ۱۵۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۲ سبط ابن الجوزی - مرآۃ الزمان مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۹۵۲ء جلد ہشتم قسم اول ص ۷۳۹)

۱۳ تاریخ الخلفا صفحہ ۳۴۷ -

۱۴ ابن بطوطہ بحوالہ مولانا مناظر احسن گیلانی ہمسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت - مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۶۶ء - جلد اوّل ص ۴۰۹ ، ۴۱۰ -

۱۵ الفخری ، ص ۱۱ ۱۶ تاریخ الخلفا ، ص ۳۴۷ -

۱۷ تاریخ الخلفا ، ص ۳۴۷ و نظام الملک طوسی ، ص ۵۱۶ ، ۵۱۷

۱۸ امیر تیمور : تیمور ایک غریب گھرانے میں (۷۳۶ھ - ۱۳۳۵ء) بڑا ہو کر ایل خانیوں کے ہاں ملازم ہوا اور کش کی گورنری پر فائز ہوا - تیمور نے اپنی حوصلہ مندیوں سے ایل خانی سلاطین کو قابو میں کر کے ان کے نام پر تسخیر عالم کا بیڑا اٹھایا - جب (۸۰۷ھ - ۱۴۰۵ء) میں اس کا انتقال ہوا تو ایک عظیم سلطنت جو ہندوستان سے دانا طولیہ تک پھیلی ہوئی تھی اس کے زیر نگیں تھی - مقبرہ تاشقند میں ہے -

۱۹ فلپ کے - حتی - ہسٹری آف دی عربس - نیویارک ، ۱۹۵۸ ، ص ۴۱۱

۲۰ الفخری ، ص ۲۲ ، ۲۳ -

۲۱ ایل خانی : چنگیز کے پوتے ہلاکو کو ایران و عراق کی حکومت دی گئی تھی جو منگولی خاقان کے برائے نام تحت تھی - اس سلطنت کو ایل خانی سلطنت کہتے ہیں - اس پر ہلاکو اور اس کے دس جانشینوں نے (۶۵۴ھ - ۱۲۵۶ء) سے ۷۳۶ھ - ۱۳۳۶ء) تک حکومت کی - بغداد ایل خانیوں کے قبضے میں تھا اور ان کا دائرۂ حکومت ایران سے ایشیائے کوچک تک تھا - ایل خانیوں میں سب سے پہلے تیسرے حکمران احمد بن ہلاکو نے اسلام قبول کیا اور یوں "پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے" (دی محمڈن ڈیناسٹیز ، ص ۱۹۹ تا ۲۰۱

۲۲ صفوی :- شیخ صفی الدین اردبیلی کی نسل میں اسماعیل صفوی نے (۹۰۷ھ - ۱۵۰۲ء) میں ایران میں صفوی خاندان کی حکومت قائم کی - یوں تو یہ حکومت (۱۱۴۸ھ - ۱۷۳۶ء) تک باقی رہی مگر اس کا آفتاب اقبال شاہ عباس کبیر کی (۱۰۳۸ھ - ۱۶۲۹ء) میں وفات کے بعد گہنا گیا - آخر نادر شاہ افشار نے صفویوں کا ۱۱۴۸ھ - ۱۷۲۶ء میں خاتمہ کر دیا - (دی محمڈن ڈیناسٹیز ، ص ۲۳۲ تا ۲۳۵)

۲۳ عثمانی : ترکان عثمانی اوغز قبائل سے تعلق رکھتے ہیں - حملۂ تاتار کے زمانے اور اس کے بعد ایشیائے کوچک

© rasailojaraid.com

میں آباد ہوئے۔ رفتہ رفتہ انھوں نے عظیم سلطنت قائم کی جو ۶۹۹ھ — ۱۲۹۹ء سے ۱۳۴۳ھ-۱۹۲۴ء) تک قائم رہی۔ عثمانی سلطنت اسلام کا آخری حصار اور عثمانی سلاطین اسلام کے آخری سپاہی تھے۔

۲۴ھ علی بن تغلب بن ابی الضیاء بعلبک کا رہنے والا تھا مگر اس نے بغداد میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ گھڑی سازی میں اسے اتنی شہرت ہوئی کہ الساعاتی (گھڑی ساز) کی نسبت سے وہ اور اس کا خاندان مشہور ہوا۔ مستنصریہ کے صدر دروازے پر جو گھڑی لگائی گئی تھی اس کی صورت یہ تھی کہ وہ لاجوردی رنگ کی دائرہ کی شکل میں تھی۔ اس کے وسط میں ایک سورج بنا ہوا تھا جو برابر حرکت کرتا رہتا تھا۔ (عبدالقادر قرشی۔ الجواہر المضیئہ، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد، ۱۳۳۲ھ ص ۸۰ و شبلی نعمانی۔ مقالات شبلی، ج ۶ ص ۲۳۹، ۲۴۰)

۲۵ھ شبلی نعمانی، مقالات شبلی، مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۵۵ء۔ جلد سوم ص ۴۶، ۴۷)

۲۶ھ ابن واصل: جمال الدین ابو عبداللہ محمد بن سالم مازنی تمیمی حموی، ابن واصل کے عرف سے مشہور ہیں۔ وہ مورخ، منطقی، اصولی اور علم ہندسہ و فقہ کے عالم تھے۔ حماۃ میں ۶۰۴ھ میں پیدا ہوئے اور یہیں کے قاضی القضاۃ و شیخ الشیوخ ہوئے۔ مملوک سلطان مصر و شام الملک الظاہر بیبرس کے دربار میں ابن واصل کو بڑا تقرب حاصل تھا۔ ان کی متعدد تصانیف تاریخ، منطق، اصول فقہ اور علم ہندسہ میں ہیں۔ تاریخی کتابوں میں مفرج الکروب فی اخبار بنی ایوب والتاریخ الصالحی مشہور ہیں۔ انھوں نے اغانی کی تلخیص بھی کی ہے۔ حماۃ میں (۶۹۷ھ — ۱۲۹۸ء) میں وفات پائی۔ (الاعلام، ج ۷، ص ۳)

۲۷ھ سبط ابن الجوزی: شمس الدین ابوالمظفر یوسف قزاوغلی مشہور عالم ابوالفرج ابن الجوزی کے نواسے تھے۔ علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد تصنیف و تالیف میں معروف ہوئے۔ مرآۃ الزمان فی تاریخ الاعیان نہایت ضخیم کتاب ان سے یادگار ہے۔ وہ ایوبی حکمران الملک الافضل علی کے متوسلین میں تھے اور زیادہ تر دمشق میں قیام کرتے تھے۔ ۶۵۴ھ میں وفات پائی۔ (مرآۃ الزمان جلد ہشتم قسم اول و دوم سے اقتباس) و نیز جرجی زیدان۔ تاریخ آداب اللغۃ العربیہ مطبوعہ دارالہلال مصر ج ۳، ص ۸۹)

۲۸ھ ابن طقطقیٰ۔ ابوجعفر محمد علی بن محمد بن طباطبا کا نسبی تعلق حضرت حسنؓ بن علیؓ سے ہے۔ اس کا باپ ایل خانی سلطان اباقہ خان کی سرکار میں محصل (Tax Collector) تھا۔ ابن طقطقیٰ (۶۶۰ھ-۱۲۶۲ء) میں پیدا ہوا۔ اس کی نشو و نما بغداد میں ہوئی۔ موصل کے گورنر فخرالدین عیسیٰ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متوسلین میں سے تھا اور اسی کے نام پر اپنی شہرۂ آفاق کتاب الفخری لکھی جو تاریخ، ادب، اور سیاست کے موضوعات پر ایک مستند کتاب شمار کی جاتی ہے وہ حلہ، نجف و کربلا میں علویوں کا نقیب بھی تھا۔ (۷۰۹ھ / ۱۳۰۹ء) میں وفات پائی۔ (دنیائے اسلام مترجمہ سید ہاشمی فرید آبادی مطبوعہ مقبول اکیڈمی، لاہور ۱۹۶۴ء۔ مقالہ بر ابن طقطقی از جیمز کرٹ زک ص ۶۱۰) نیز الاعلام جلد ۷، صفحہ ۱۷۴

۲۹ھ شیخ الاسلام جلال الدین سیوطی بالائی مصر کے شہر اسیوط میں (۸۴۹ھ - ۱۴۴۵ء) میں پیدا ہوئے۔ آٹھ سال کی عمر میں حفظ کلام مجید کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ تکمیل تعلیم کے بعد درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ ان کی کتابوں کی تعداد پانچسو بتائی جاتی ہے، جو تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، تراجم، ادب اور لغت کے مضامین پر محتوی ہے۔ مشہور تصانیف میں قرآن کی تفسیر جلالین، (بشرکت جلال الدین حلی) الاتقان، طبقات المفسرین، تاریخ الخلفا؛ در مصر و قاہرہ کی تاریخ حسن المحاضرہ ہیں۔ انھوں نے (۹۱۱ھ – ۱۵۰۵ء) میں وفات پائی۔ متاخرین علمائے اسلام میں سیوطی جیسا جامع للکمال شخص نہیں ملتا۔

اسلامی جمہوریت

(مولانا رئیس احمد جعفری)

درحقیقت جمہوریت کیا ہے؟ اس کی تعریف کیا ہے؟ اس کے حدود و خصائص کیا ہیں؟ - اس کا تحفظ کس طرح کیا جاتا ہے اور یہ کہ "سلطانی جمہور" واقعی ایک بامعنی لفظ ہے بھی یا نہیں؟ اسلام نے جس جمہوریت کا خاکہ پیش کیا ہے اور جس جمہوریت سے دنیا کو روشناس کرایا ہے اور جس طرح اسے برت کر اس کا ایک نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے، اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل منفرد اور یکتا ہے۔ اس کتاب میں بسط و تفصیل، صحت و استناد اور کتاب و سنت کی روشنی میں اسلامی جمہوریت کی وضاحت کی گئی ہے۔ وہ جمہوریت جو حقیقی اور خالص ہے۔ صفحات ۴۴۸، قیمت: ۹/ روپے

ملنے کا پتہ: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور

© rasailojaraid.com